کتاب نما

کہوٹہ سے چاغی تک' فیضان اللہ خان۔ ناشر: دور نو پبلی کیشنز' ۴۵ حبیب پارک' لاہور ۵۴۷۸۰۔ صفحات: ۱۹۱۔ قیمت: ۷۵ روپے۔

اس برس ۲۸ مئی ۱۹۹۸ کو "یوم تکبیر" کے طور پر منایا گیا۔ بلاشبہ یہ دن' تاریخ پاکستان میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایٹمی دھماکے نے اہل وطن میں ایک نیا عزم اور ولولہ پیدا کیا اور وہ خود اعتمادی کے جذبے سے سرشار ہوئے۔ اب اگر انھیں اقبال کے الفاظ میں کوئی "میر کارواں" مل جائے تو وہ قوم کے ولولوں اور عزائم کے بل بوتے پر' اس کی تقدیر پلٹ سکتا ہے۔ پاکستان کو ۲۸ مئی ۱۹۹۸ کے مرحلے تک پہنچنے کے لیے کن دشواریوں سے گزرنا پڑا؟ کیا رکاوٹیں درپیش آئیں؟ اور مختلف افراد اور اداروں نے اس ضمن میں کیا کردار ادا کیا؟--- زیر نظر کتاب میں' نہایت سلیقے اور عمدگی کے ساتھ اس سلسلے کی مرحلہ وار کہانی بیان کی گئی ہے۔ مزید برآں "پاکستان کے ایٹمی دھماکوں سے متعلق تمام سیاسی' تاریخی' جغرافیائی' تکنیکی اور سائنسی پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے"۔ بہ قول مصنف: "کتاب کا بنیادی مقصد' ایک عام آدمی کے تجسس کی پیاس بجھانا اور اسے چاغی میں سر کیے جانے والے معرکے سے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچانا ہے" (ص ۱۴)۔

بین الاقوامی تناظر میں' نیز عالم اسلام کے حوالے سے پاکستان کے ایٹمی دھماکے کی اہمیت اور اس کے دور رس اثرات' کتاب کے پہلے باب کا موضوع ہیں۔ دوسرے باب میں چاغی کے محل وقوع اور جغرافیے کا بیان ہے۔ مضبوط ساخت کے راس کوہ کی سنگلاخ چٹان کے اندر چار سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۹۸۴ میں ایک کلومیٹر لمبی آڑی ترچھی سرنگ تیار ہوئی۔ پھر ۱۲ مئی کے بعد سرنگ کے اندر اور باہر ضروری آلات اور کیمروں کی تنصیب ہوئی' بڑی طاقتوں کا شدید دباؤ تھا مگر پاکستان کی رائے عامہ کا دباؤ غالب آیا۔ گرین سگنل ملا اور ۲۸ مئی کو ۳ بج کر ۱۶ منٹ پر راس کوہ میں ایک خوفناک زلزلہ آیا۔ پاکستان ایٹمی ممالک کی صف میں شامل ہوگیا--- یہ سب تفصیل ایک دلچسپ ڈرامائی صورت میں بیان کی گئی ہے۔

فیضان اللہ خان' طبیعیات میں ایم ایس سی ہیں۔ انھوں نے صرف خارجی مراحل کے بیان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایٹم کی نوعیت' ایٹم بم کی تیاری' ایٹمی دھماکوں کی اقسام' ان کی تاریخ اور ان کے اثرات وغیرہ کے

بارے میں بھی فنی اور تکنیکی معلومات مہیا کی ہیں۔ مصنف نے اس ضمن میں بہت سے متعلقہ موضوعات پر بھی عام فہم انداز میں معلومات بہم پہنچائی ہیں جیسے: نیوکلیائی طبیعیات کے اصول' یورینیم کی افزودگی' ایٹمی دور کا آغاز' تابکاری کی دریافت' ایٹم کی ساخت' پہلا ایٹمی تجربہ' دوسری جنگ عظیم' ہیروشیما اور ناگاساکی کا المیہ' امریکی تہذیب کا اصل چہرہ وغیرہ...... اس طرح مصنف نے تاریخ' سائنس اور عالمی سیاست کے حوالے سے مباحث میں تنوع پیدا کر کے کتاب کو دلچسپ اور معلومات افزا بنا دیا ہے۔

پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا آغاز' پیش رفت اور تکمیل کے ضمن میں مصنف کے مطابق سب سے نمایاں نام ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان ہوا تو وہ ہالینڈ میں زیر تعلیم تھے۔ انھوں نے اس سانحے سے گہرا اثر قبول کیا۔ ۱۹۷۴ء میں بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد انھوں نے عملاً کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے عبدالقدیر خان کے منصوبے سے اتفاق کیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ ۳۰ ہزار روپے کی ملازمت چھوڑ کر وہ ہالینڈ سے وطن آگئے اور پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں ۳ ہزار روپے کی ملازمت اختیار کر لی' مگر انھیں کمیشن والوں کا تعاون حاصل نہ ہو سکا تو انھوں نے ۱۹۷۶ء میں کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز قائم کر کے یورینیم کی افزودگی کا کام شروع کر دیا۔ مصنف نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جس "جانفشانی' لگن اور جذبے سے اس پر عمل درآمد شروع کیا وہ ہماری تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے"۔ انھوں نے دن رات ایک کر دیا' وہ اتنے پرجوش تھے کہ اصل پلانٹ کی تعمیر و تکمیل سے پہلے ہی ایک چھوٹی سی لیبارٹری میں یورینیم کی افزودگی پر کام شروع کر دیا اور ابھی اصل پلانٹ زیر تعمیر تھا کہ ۴/ اپریل ۱۹۷۸ء کو اس عارضی لیبارٹری میں یورینیم کی افزودگی کا کامیاب تجربہ مکمل کر لیا۔ عبدالقدیر خان کی کاوشوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک و ملت سے محبت اور اس کے لیے دردمندی کے جذبات سے سرشار ایک شخص تمام تر مشکلات اور حوصلہ شکنیوں کے باوجود بھی کامیابی سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ انسان کے عزم صمیم کے سامنے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

آخری باب کا عنوان ہے: "پاکستان' اسلام کا قلعہ"۔ اس باب میں سی ٹی بی ٹی' پاکستان میں سائنس اور ٹکنالوجی کی پسماندگی' معیار تعلیم کی پستی' تعلیمی نظام کی ابتری اور نظام معیشت کی زبوں حالی وغیرہ کا ذکر ہے۔ اختتام ان سطور پر ہوتا ہے: "پاکستان کی تخلیق کا اصل مقصد اسلامی نظام کی برکتوں سے مستفید ہونا اور اسے امت مسلمہ کی رہنمائی کے منصب پر فائز کرنا تھا۔ ایٹمی قوت بن کر ہم نے منزل مقصود کی جانب صرف ایک قدم بڑھایا ہے۔ اس راہ میں ابھی بہت سا سفر کرنا باقی ہے۔ پاکستانی قوم کو اگر مخلص اور مناسب رہنمائی مل جائے تو وہ یہ کٹھن سفر طے کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ نظام کی تبدیلی وقت کی اہم ترین ضرورت بن چکی ہے۔ حکومتی ڈھانچے پر حاوی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سے لوگ بیزار ہو چکے ہیں"۔

کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نوجوان مصنف اپنی پہلی ہی کتاب میں ایسی تالیفی مہارت دکھائے' زبان و بیان بھی عمدہ ہو' موضوع بھی اس کی گرفت میں ہو اور کتاب سے ایک قومی اور ملی نقطۂ نظر بھی ظاہر ہوتا ہو۔ یہ مصنف کی ذہانت ہے اور غالباً ان کے فاضل گرامی والد (پروفیسر آسی ضیائی) کا فیضان بھی' جن کے نام' انھوں نے یہ کتاب انتساب کی ہے۔

ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ کتاب کی تالیف و تدوین کے ساتھ' کمپوزنگ' پروف خوانی اور انتخاب تصاویر کے کام بھی فیضان صاحب نے خود ہی انجام دیے ہیں اور جو تصاویر نہ مل سکیں وہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے تیار کی ہیں--- بلاشبہ زیر نظر کتاب "پاکستان کے ایٹمی قوت بننے کی دل افروز داستان" (سرورق) ہے۔ بالخصوص نوجوان طلبہ کو اس کا مطالعہ ضرور ہی کرنا چاہیے (رفیع الدین ہاشمی)۔

خود نوشت افکار سرسید' سرسید احمد خاں' مرتبہ: ضیاء الدین لاہوری۔ ناشر: فضلی سنز لمیٹڈ' پارسی بلڈنگ' اردو بازار' کراچی۔ صفحات: ۲۷۲۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

"سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ـ۱۸۹۸) علامہ اقبال (۱۸۷۷ـ۱۹۳۸) اور قائداعظم (۱۸۷۶ـ۱۹۴۸) کے لبرل اسلام کے علم بردار تھے۔ یہ اور قائداعظم بانیان پاکستان تھے' اس لیے پاکستان میں انھی کی تعبیر اسلام پر عمل پیرا ہونا چاہیے"------ اس طرح کی بات بڑے تسلسل کے ساتھ دہرائی جاتی ہے اور پسماندگان اقبال نے بھی اسی بات کو اپنی فکر کا سرعنوان بنا رکھا ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ اس حوالے سے اقبال دوستی کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں یا انہدام اقبال کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں--- بہرحال زیر تبصرہ کتاب اس خدشے کی تائید کرتی ہے۔ اس کتاب میں جو افکار' بطور خود نوشت سرسید مرحوم' پیش کیے گئے ہیں' ان میں سے ۹۵ فی صد کی تو' اقبال مرحوم ہرگز تائید کرتے دکھائی نہیں دیتے۔

مسلمانان جنوب مشرقی ایشیا کی فکری' سیاسی اور سماجی زندگی پر سرسید مرحوم نے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر سلفی العقیدہ تھے' مگر اپنے کئی ہم مکتب دانش ور رجال کی طرح دینی معاملات میں آزاد روی کا شکار ہو گئے۔ مغرب سے مرعوبیت اور عبرت ناک ٹھوکروں کے باوجود بلاشبہ ان کا دل رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں یوں تڑپتا تھا کہ بہت سے مذہبی قائدین بھی اس پر رشک کر کے رہ جائیں۔ افسوس کہ ان کا یہ پہلو نظرانداز ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے خطہ ہند پر فرنگی برہمن اتحاد سے پیدا ہونے والے عبرت ناک مستقبل کی پیش بینی کرتے ہوئے' اس درد کی دوا انگریزی تعلیم میں تلاش کی۔ اس ذیل میں ان کے نتیجہ فکر کے غلط یا صحیح ہونے کی بحث کو چھوڑ دیا جائے' تو واقعہ یہ ہے کہ اپنی دانش کی حد تک انھوں نے اخلاص ہی سے یہ راستہ تجویز کیا۔ اس لیے ایک قوم پرست

مسلمان رہنما کی حیثیت سے ان کا مقام نمایاں ہے۔

جناب ضیاء الدین لاہوری "سرسید سٹڈیز" میں اختصاص رکھتے ہیں' وہ اس موضوع پر کئی تصانیف پیش کر چکے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنی جانب سے' یا سرسید کے مخالف و موافق عناصر کی آرا کو پیش کرنے کے بجائے ان کی اپنی تحریروں سے' ان کی "خود نوشت" مرتب کی ہے۔

سرسید مرحوم کی ان (خود نوشت) تحریروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ فطرت پرستی اور خرد افروزی کے اس درجہ قائل تھے کہ انھوں نے معجزات انبیا اور احادیث رسولؐ میں بیان کردہ بہت سی باتیں عقل عام کی بنیاد پر مسترد کر دیں۔ ایسا فیصلہ دیتے وقت کہیں تو ان کا لہجہ سخت تکلیف دہ ہوتا ہے مثلاً پیدایش عیسیٰ علیہ السلام' آتش نمرود' قربانی' زم زم' معراج' جنت دوزخ وغیرہ۔ بلاشبہ انھوں نے بہت سے امور میں اسرائیلیات اور وضعی احادیث کو ماننے سے انکار کیا ہے' مگر "نیچریت" کے جوش میں وہ توازن برقرار رکھنے میں ناکام رہے۔ اس طرح ان کی تحریروں کی زد مسلمات اور متفق علیہ امور پر بھی پڑی۔

بیسویں صدی کے چند مفسرین نے زانی کے لیے "سزائے رجم" کی تردید کرنے میں' بظاہر پہل کی ہے۔ شاید انھیں معلوم نہیں کہ سرسید مرحوم یہ "کارنامہ" ان سے پہلے انجام دے چکے تھے (ص ۲۳۲)۔ ایک عجیب بات ہے کہ خاص طور پر سیکولر لابی اپنے لیے سرسید' اقبال اور نیاز فتح پوری وغیرہ کو خردمندی کا لائٹ ہاؤس تسلیم کرتی ہے۔ مگر یہ تینوں حضرات عورت کے چہرے کے پردے کے نہ صرف قائل تھے بلکہ داعی اور اپنے گھروں میں اس پر عامل بھی تھے۔ سرسید لکھتے ہیں: "ہم عورتوں کا پردہ' جو مسلمانوں میں رائج ہے' اس کو نہایت عمدہ سمجھتے ہیں" (ص ۱۶۶)۔

سرسید مرحوم نے الہیات اور دینیات پر قلم اٹھانے کے لیے واقعی بڑی محنت کی' مگر افسوس کہ ان کا زاویۂ نظر درست نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامیان ہند کے اجتماعی ضمیر نے ان کی قومی خدمات کا تو کھل کر اعتراف کیا' مگر مرحوم کے مذہبی افکار کو قبول نہیں کیا۔ اب ان کے مذہبی افکار کا بار بار سامنے لانا اور انھیں مذہبی ریفارمر کے طور پر مثال و سند بنانا کار عبث ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ان کا تذکرہ ان کے قومی کارناموں تک محدود رکھا جائے۔

جناب ضیا الدین نے بڑی دیدہ ریزی' اور کمال محنت و مشقت سے ہزاروں صفحوں پر پھیلی ہوئی تحریرات سرسید کو پڑھ کر ان سے یہ لوازمہ نکالا' اور حسن ترتیب سے پیش کیا ہے۔ اگرچہ کئی موضوعات پھر بھی رہ گئے ہیں' خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور ان کے دفاع کے لیے سرسید کے تڑپتے جملوں سے یہ کتاب خالی ہے۔ اسی طرح سرسید نے امت میں مختلف متفق علیہ پہلوؤں کی تردید کے لیے جو استدلال کھڑا کیا' اور جن دلائل کا سہارا لیا' کتاب ان سے بھی خالی ہے' البتہ صرف نتیجہ سامنے

آ جاتا ہے۔ بہرحال یہ کتاب کسی صاحب ذوق فرد کو راستہ ضرور دکھا دیتی ہے کہ اگر وہ خاور شناس ہے تو اصل ماخذ تک پہنچ کر مراد پائے (**سلیم منصور خالد**)۔

تابخاک حرم، ڈاکٹر محمود الحسن عارف۔ ناشر: الفیصل، اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۱۸۰۔ قیمت۔ ۱۲۵ روپے۔

اردو میں حج کے سفرناموں کی روایت بہت قدیم ہے۔ جو صاحب ایمان حج بیت اللہ سے مشرف ہوتا ہے، قدرتی طور پر وہ چاہتا ہے کہ اپنے پاکیزہ اور والہانہ جذبات و احساسات میں دوسروں کو بھی شریک کرے۔ حرمین شریفین کی زیارت اور عمرہ و حج کے مختلف مراحل میں ایک مسلمان روحانی طور پر جس سرخوشی و سرشاری سے دوچار ہوتا ہے، اس کا اظہار بجائے خود ایک طمانیت و تسکین کا باعث بنتا ہے۔ ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب نے ۱۹۹۴ میں حج بیت اللہ اور روضہ رسولؐ کی زیارت کی اور سفرنامہ قلم بند کیا، مگر انھیں سفرنامے کی طباعت میں تردد رہا۔ بار بار یہ خیال آتا کہ یہ تو سراسر خود نمائی ہے لیکن پھر سوچ کر کہ "اگر حرمین کے سفرنامے لکھنا خود نمائی ہوتا تو اس عنوان پر بہت سے قدیم و جدید بزرگوں کے سفرنامے اتنی تعداد میں محفوظ اور مدون صورت میں نہ ملتے" انھوں نے احوال سفر کو تابخاک حرم کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ حج کے سفرنامے مختلف اسالیب میں لکھے گئے ہیں۔ عارف صاحب نے بہ ظاہر روداد سفر بیان کی ہے مگر اس میں جذبات و احساسات اور تاثرات کا اظہار بھی ہے۔ کراچی سے روانگی کی "یہ رات کیف و مسرت اور فرحت و انبساط کی رات تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تمام کائنات وجد میں ہے اور تمام فضا روشنی و کیف سے معمور ہے" (ص ۲۲)۔ "بیت اللہ اپنے تمام تر جاہ و جلال کے ساتھ عظمت و بزرگی کی چادر اوڑھے ہوئے ہمارے سامنے تھا۔ نظر پڑتے ہی بے اختیار ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ جاتے ہیں اور زبان پر دعا و ذکر کے زمزمے جاری ہو جاتے ہیں" (ص ۴۱)۔

جہاں کہیں نثر، جذبات کے تموج کا ساتھ نہیں دیتی، وہ شعر کا سہارا لیتے ہیں۔ انھوں نے اردو، فارسی اور عربی کے بہ کثرت اشعار کو اظہار جذبات کا ذریعہ بنایا ہے۔ کہیں کہیں تو ابو الکلامی انداز بہت نمایاں ہے، بلکہ اشعار کی خاصی تعداد غبار خاطر میں مذکور اشعار ہی کی ہے۔ مصنف ایک عالم دین بھی ہیں، اس لیے انھوں نے حسب موقع حج بیت اللہ کے مختلف پہلوؤں اور مراحل کے بارے میں قرآن و حدیث کے احکام بیان کر دیے ہیں اور مسنون دعائیں بھی نقل کر دی ہیں۔ اس طرح زیر نظر سفرنامہ ایک بابرکت سفر کی روداد بھی ہے اور حجاج کے لیے ایک اچھی رہنما کتاب بھی۔ جو لوگ عمرہ و حج کے تجربے سے گزر چکے ہوں ان کے لیے بھی یہ ایک لائق مطالعہ کتاب ہے (ر - ہ)۔

اسلام اور سودی نظام، محمد آصف احسان۔ ناشر فاران پبلی کیشنز، پوسٹ بکس ۱۷۰۱، فیصل آباد۔ صفحات ۱۷۴۔ قیمت ۳۵ روپے۔

عہد حاضر کے معاشی مفاسد کی ایک بڑی وجہ معیشت کے رگ و پے میں سود کے زہر کی موجودگی ہے۔ اس نے نہ صرف تقسیم دولت کے منصفانہ نظام کے قیام کو ناممکن بنا دیا ہے بلکہ اشیا و خدمات کی پیدائش کے بارے میں آجروں کے فیصلوں کا رخ بھی عامۃ الناس کی فلاح و بہبود کے بجائے مترفین کی مسرفانہ عیاشیوں کی طرف موڑ دیا ہے۔ مشرق و مغرب میں سودی نظام کی تلخیوں کا احساس اور اعتراف تو بڑھ رہا ہے لیکن اس کی جگہ غیر سودی نظام کے قیام کی خواہش یا پھر اس کے لیے کوشش ہنوز ناپید ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مغرب کو اپنے معاشی ارتقا کے لیے فراہمی سرمایہ کا سود کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ نظر نہیں آتا۔ غیر سودی بنیادوں پر تشکیل پانے والا معاشی نظام صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے۔ کم و بیش ایک ہزار سال تک دنیاے معلوم کے بہت بڑے حصے میں اس کے تحت کاروبار معیشت حسن و خوبی کے ساتھ انجام بھی پاتا رہا۔ مغرب تو اپنے روایتی تعصب کی بنا پر اسلام کے اس انتظام کو قابل اعتنا نہیں سمجھتا لیکن مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی اس کے قابل عمل ہونے کے بارے میں تشکیک کا شکار ہے۔

زیر نظر کتاب میں بڑی بالغ نظری کے ساتھ اس تشکیک کو رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سودی نظام کے مفاسد کا محاکمہ اور اس کے جواز کے نظریات کا ابطال کیا گیا ہے اور قرآن و سنت کے شواہد اور مفکرین اسلام کی آرا کی روشنی میں سود کی برائی کو واضح کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ روز مرہ زندگی سے تعلق رکھنے والے بہت سے مسائل مثلاً بنک کے سود، انعامی بانڈز، پراویڈنٹ فنڈ، سیونگ سرٹیفیکیٹ اور مارک اپ وغیرہ کے متعلق اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

کتاب کی افادیت بہت بڑھ جاتی اگر اس میں بلاسود بنک کاری کا کوئی ماڈل پیش کر دیا جاتا۔ بحیثیت مجموعی غیر سودی نظام پر منتشر مواد کو یک جا کرنے اور اس سلسلے میں اسلامی نقطہ نظر کو اعتماد کے ساتھ پیش کرنے کی یہ ایک کامیاب کوشش ہے۔ (عبدالحمید ڈار)

Historical Sikh Shrines in Pakistan (پاکستان وچ سکھاں دیاں تاریخی پوتر تھاواں)، اقبال قیصر۔ ناشر پنجابی تواریخ بورڈ، ۱۳۰ بی، ٹی ون، ٹاؤن شپ، لاہور۔ مجلد، سائز: صفحات ۲۴۴۔ قیمت ۲۰۰۰ روپے یا ۴۵ ڈالر۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں اور معابد کے احترام کا درس دیتا ہے البتہ اگر انھیں دھوکا دینے کے لیے مسجد ضرار بنائی جائے تو اس کے بارے میں بھی واضح حکم موجود ہے۔ جہاں تک

اِکا دکا واقعات اس روایت کے خلاف رونما ہوئے' وہاں ریاست نے اس کی تائید نہیں کی' اور مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر نے بھی انھیں شدید ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ بوسنیا اور کوسووا میں عیسائی سربوں کے ہاتھوں مسجدوں کی پامالی کے باوجود پوری مسلم دنیا میں کہیں بھی کسی گرجا گھر کو کوئی گزند نہیں پہنچی۔

اگست ۱۹۴۷ء سے قبل خاص طور پر' پاکستانی پنجاب میں سکھوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ بھارتی پنجاب میں بھی مسلمانوں کی بڑی آبادیاں موجود و قائم تھیں' ضلع فیروز پور تو تھا ہی مسلم اکثریتی ضلع۔ پاکستانی پنجاب میں سکھوں کی بہت سی تاریخی اور مذہبی اعتبار سے اہم عمارات اب بھی موجود ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب میں صرف مذہبی اعتبار سے اہم عمارتوں کی ۱۸۰ رنگین تصاویر شائع کی گئی ہیں اور ان کا تعارف اور پس منظر' انگریزی' پنجابی (گورمکھی اور فارسی رسم الخط) میں دیا گیا ہے۔ ان عمارتوں میں پانچ مسلمان صوفیا (بابا فرید' میاں میر' رائے بلار' شاہ دولہ اور حمزہ غوث) کے مقابر اور مرقد بھی شامل ہیں' جنھیں سکھ مت میں بہت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

ہر مذہب کے پیروکار اپنے معبدوں کے لیے بڑے نازک جذبات رکھتے ہیں۔ اگرچہ ۱۹۴۷ء میں مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کے نتیجے میں سکھوں نے اپنے تئیں اپنے حصہ زمین سے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا تھا' تاہم بھارت میں اب بھی مسلمانوں کے جذب و شوق کی علامتیں اور سجدوں کی رازداں بہت سی مسجدیں موجود ہیں' مگر ان کی حالت افسوس ناک ہے۔ وہاں جانور بندھے ہوئے ہیں یا پھر یہ مساجد رہایشی عشرت کدوں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ ظاہر ہے یہ منظر دیکھ کر ہر مسلمان کا دل تڑپے گا۔ تصویر کا دوسرا رخ زیر تبصرہ کتاب دکھا رہی ہے۔ یہاں چند مرکزی عمارتوں کو چھوڑ کر سکھوں کی مذہبی عمارتوں میں سے اکثر کی حالت اطمینان بخش نہیں ہے۔

کتاب میں دی گئی تصویروں کو دیکھا جائے تو بہت سی عمارتیں واقعی مسلمانوں کے تہذیبی مزاج' دینی ذوق' مذہبی رواداری اور علمی مذاق سے مغائرت پر ماتم کناں دکھائی دیتی ہیں۔ اسلام ہمیں ایسے رویے سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ کاش اسے دیکھ کر ہمیں بھولا ہوا سبق یاد آ جائے اور کاش' کوئی سکھ آگے بڑھ کر مشرقی پنجاب اور ہریانہ میں اصطبل کا منظر پیش کرتی ہوئی مسجدوں اور اہم مقامات کی عکس بندی کر کے اسی اہتمام سے شائع کرے' جس طرح لاہور سے ایک پرائمری اسکول کے مسلمان استاد اقبال قیصر نے سکھوں کی متبرک عمارتوں کا کھوج لگانے کے لیے اسکردو سے کراچی اور کوئٹہ تک اور جیکب آباد سے لاہور اور پشاور تک خاک چھانی۔ یہ وضع داری دین اسلام کا ثمر ہے بلکہ ایسا تال میل برہمنی استبداد کی چیرہ دستیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے کسی صف بندی میں معاون بھی بن سکتا ہے۔ اس سے بھی اہم تر حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک دعوتی دین ہے' اور ایک داعی صرف اسی وقت اپنی بات سمجھا سکتا ہے جب وہ حکمت اور احترام آدمیت کے مغز کو پا لے۔ احترام معابد بھی حکمت کی ایک بڑی

بنیادی علامت ہے (س - م - خ) -

سعید پارے ' مرتبہ: مسعود احمد برکاتی۔ ناشر: نونہال ادب' ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان' ہمدرد سنٹر' ناظم آباد' کراچی۔ صفحات: ۱۹۰۔ قیمت: ۷۰ روپے۔

حکیم محمد سعید شہید کے دست راست جناب مسعود احمد برکاتی نے حکیم صاحب کے مقبول کالم "جاگو جاگو" کا ایک انتخاب مختلف عنوانات کے تحت پیش کیا ہے۔ اس میں جنوری ۱۹۸۵ سے نومبر ۱۹۹۸ تک کے کالم شامل ہیں۔ یہ زندگی کے مختلف پہلوؤں اور متنوع گوشوں پر تقریباً ایک ایک صفحے کے سادہ و مختصر مگر موثر مضامین کا مجموعہ ہے۔ عبادات' تہوار' اخلاق' اعمال' وطن' قائداعظم اور ووٹ کے متعلق مثالوں' تمثیلوں' آیات قرآنی' اسوۂ حسنہ اور عمومی واقعات کی مدد سے اچھی اچھی باتوں اور نکات کی وضاحت کی گئی ہے۔ اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ اور طالبات کے لیے' والدین اور بزرگوں کی طرف سے یہ کتاب ایک اچھا تحفہ ہو گا۔ کتابت' طباعت اور جلد خوب صورت اور قیمت مناسب ہے (ر - ہ) -

الصلوۃ والسلام علی رحمتہ للعالمینؐ ' حصہ دوم' مرتبہ: رشید اللہ یعقوب' ناشر: رحمتہ للعالمین ریسرچ سنٹر' ۸۔ زمزمہ اسٹریٹ نمبر ۳' کلفٹن' کراچی ۷۵۶۰۰۔ صفحات: ۳۰۶۔ صدقہ جاریہ۔

حسن طباعت کا شاہکار یہ نقش ثانی' نقش اول کی آب و تاب کو دوچند کر دیتا ہے۔ پہلی جلد میں ۲۷ درود اور ۱۴ سلام تھے۔ اس دوسری جلد میں ۶۴ درود اور ۵ سلام ہیں۔ اس طرح مرتب نے احادیث کی تمام مستند کتب کھنگال کر کل ۹۰ درود اور ۱۹ سلام جمع کر دیے ہیں۔ حسن طباعت کے ساتھ ساتھ کتاب حسن ترتیب کا بھی نمونہ ہے۔ ایک باب میں درود و سلام کی فضیلت پر روایات جمع کر دی ہیں۔ رسولؐ اللہ کا ذکر' اللہ تعالیٰ کے ذکر کے تابع ہے' اس کی بنیاد پر ایک باب میں فضائل ذکر' فضائل تلاوت قرآن اور توبہ و استغفار کے بارے میں آیات و احادیث جمع کر دی ہیں۔ احادیث کے متن مع اعراب اور ترجمہ ہیں۔ صحت اور حوالے کا مکمل اہتمام ہے۔ جو درود صحیح اور حسن احادیث سے مروی ہیں' ان کی خوب صورت اور دل کش خطاطی پورے صفحے پر کروائی گئی ہے۔ غرض ایک غیر معمولی کاوش ہے جس کے حسن و صفات کا الفاظ میں بیان ناممکن سا ہے' دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرتب کے اس عمل کو ان کے لیے توشۂ آخرت بنائے اور انھیں رسولؐ اللہ کا قرب عطا کرے۔ دبیز آرٹ پیپر پر شائع شدہ چار رنگوں کی طباعت سے مزین یہ کتاب ہدیہ کے لائق ہے اور مرتب اسے ہدیتاً ہی دیتے ہیں۔ صرف طلب کرنے کی زحمت ہے (مسلم سجاد) -